

- پیچیدہ شہری زندگی کا دباؤ
- کراچی میں پانی کا بحران
- پاکستان میں تحریکی تحریک
- گلشن معمار کا تعمیراتی حسن

شہری

برائے بہتر احوال

جولائی تا ستمبر ۱۹۹۶ء



SHEHRI

اس میں کوئی ملک نہیں کہ شہروں کا ایک چھوٹا سا گروہ جو شعور رکھتا ہو اور یقیناً دنیا کو بدل سکتا ہے... مارگریٹ میڈ

نویسٹ حسین

کراچی کے پھیلاؤ میں بے تحاشہ اضافہ

بڑے شہروں کا بوجھ کم کرنے کے لئے چھوٹے شہر بسائے جائیں دیہاتوں میں زرعی اصلاحات کی جائیں

فٹ تعمیرات درکار ہوں گی جو تقریباً ڈھائی لاکھ رہائشی یونٹوں پر مشتمل ہوں گی۔

بڑھتی ہوئی رہائشی ضروریات اور آبادی میں بے تحاشہ اضافے کی وجہ سے حکومت اس مسئلے کو حل کرنے کی قطعاً اہل نہیں رہی اور بے گھر افراد کو خود اس صورتحال سے نمٹنے کے لئے چھوڑ دیا گیا ہے اس مسئلے سے عہدہ براہونے کے لئے زمین اور ٹاؤن پلاننگ کی ضرورت ہے اور یہ معاملات کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی کے دائرہ اختیار سے باہر ہیں۔

اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے گھرانے کی کمی اور کے بی سی اے کو غیر قانونی تعمیرات کو مانیٹر کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی ہے "شہری" اس معاملے کو وسیع تر کینیوٹس پر دیکھتا ہے اور وہ یہ کہ ایک ایسا ماسٹر پلان ہو جس پر منصوبہ بندی کرنے والے، ماہرین تعمیرات، آبادیات کے ماہرین، شہری اقتصادیات، ٹرانسپورٹ اور بنیادی شہری ضروریات کی فراہمی کے ماہرین اور دیگر شعبوں کے ماہرین مل جل کر کام کریں۔

بدقسمتی سے اس ماسٹر پلان ۲۰۰۰ء پر اب تک بہت سا وقت اور لاکھوں ڈالر ضائع ہو چکے ہیں لیکن اس کا کوئی فائدہ



قواعد و ضوابط کی خلاف ورزی کا منظر

بڑھتی ہوئی شہری ضروریات اور آبادی میں بے تحاشہ اضافے کی وجہ سے حکومت اس مسئلے کو حل کرنے کی قطعاً اہل نہیں رہی، بے گھر افراد خود اس صورتحال سے نمٹ رہے ہیں

فطری اضافے اور دیہی علاقوں سے آبادی کی منتقلی کے نتیجے میں رہائشی مکانات کی طلب میں ۶ فیصد سالانہ کی شرح سے اضافہ ہوگا۔ اگر ایک شخص کے لئے کم از کم سو مربع فٹ رہائشی جگہ درکار ہو تو شہر کو ہر سال ۸۷ ملین مربع فٹ رہائشی سولٹیں فراہم کرنا ہوں گی۔ اگر پانچ منزلہ عمارتیں بھی تعمیر کی جائیں تب بھی ہر سال ایسے ۲۲۰۰ یونٹ درکار ہوں گے۔ اگر کچی آبادیوں میں رہنے والوں کو بھی مکانات فراہم کرنے ہوں تو ہمیں ۸۰۰ ملین مربع

کروڑ سے زائد ہو جائے گی اور یہ شہر ایک وحدت کے طور پر برقرار نہیں رہ سکے گا۔ ایک ایسا وقت بھی آئے گا جب کراچی سے پشاور تک ہائی وے کے ساتھ ساتھ پورا علاقہ انسانوں سے آباد ہوگا۔

کراچی کی آبادی کا تخمینہ پورے ملک کی آبادی کا دس فیصد لگایا جاسکتا ہے۔ اگر کراچی کی موجودہ آبادی کو ساڑھے چودہ کروڑ تسلیم کر لیا جائے تو ۲۰۰۰ء میں بڑھ کر ساڑھے سولہ کروڑ ہو جائے گی۔ ایسی صورت میں ہم دیکھتے ہیں کہ آبادی میں

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ شہر میں خطرناک حد تک بڑھتی ہوئی غیر قانونی تعمیرات کا ذمہ دار آخری تجربے میں عام شہری، کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی کو ہی قرار دیتے ہیں جو حکومت سندھ کے ماتحت کام کر رہی ہے۔ شہریوں کے ایک گروپ کی حیثیت سے شہری یہ مطالبہ کرتا رہا ہے کہ ایک طویل المدی "رین پالیسی" بنائی جائے جو معاشرے کے تمام طبقوں کی ضروریات کا خیال رکھے اور خصوصاً اس ۶۰ فیصد شہری آبادی کی ضروریات کو پورا کرے جو ان کچی بستیوں میں رہتی ہے جو کے بی سی اے کے دائرہ کار میں نہیں آتیں۔

ہم غیر قانونی تعمیرات کو ان بڑھتی ہوئی رہائشی اور تجارتی ضروریات کے پس منظر میں دیکھتے ہیں جو پاکستان میں آبادی میں مسلسل اور بے تحاشہ اضافے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ اس کی وجہ سے محدود وسائل والا یہ چھوٹا سا ملک، چین اور بھارت کے بعد دنیا میں آبادی میں تیزی سے اضافے کے لئے تیسرے نمبر پر آ گیا ہے۔ شہری اور دیہی آبادی پر اس کا حقیقی اثر اس وقت محسوس ہوگا جب افزائش کی شرح صفر ہو جائے گی، ملک کی آبادی ۳۵ کروڑ ہو جائے گی کراچی کی آبادی چار



شری

206 بلاک 2، پی ای سی ایچ ایس
کراچی، پاکستان
ٹیلی فون: 92-21-483-0646
e-mail/address: sheri @
sheri.s.khi.brain.net.pk

ایڈیٹر: انیس بارون
انتظامی کمیٹی

چیرمین: قاضی قاضی

وائس چیرمین: ڈاکٹر ذی سوزا

جنرل سیکریٹری: امیر علی بھائی

ترجمی: اسی خاں

ارکان: نوید حسین، شعیب احمد

شری اسٹاف

کو آرڈینیٹر: سز منصور

اسسٹنٹ کو آرڈینیٹر: محمد رحمان

اشرف

شری ذیلی کمیٹیاں

آؤ کی خلاف: نوید حسین

تحفظ و ورثہ: دانش آذر زوی

حیرارہن

میڈیا اور صحافتی روابط: حیرارہن حسن

حضرتی فرمان اور

قانون: قاضی قاضی، امیر علی بھائی

رویلڈ ڈی سوزا، ڈاکٹر ذی سوزا، شعیب احمد

پارکس اور تفریح: شعیب احمد

مالی حصول: تمام ارکان

ادبی کمیٹیوں کی رکنیت شری برائے بہتر

ماحول کے تمام ارکان کے لئے کھلی ہے۔ اس

اشاعت میں شامل مضامین کو شری کے نوالے

کے ساتھ شائع کرنے کی اجازت ہے۔

ایگزیکوٹو بورڈ کے ممبران اور اداروں کے ممبران

کو شری کے نوالے کے ساتھ شائع ہونا ضروری

نہیں۔

لے آؤٹ اور ڈیزائن: ذی سوزا

پروڈکشن: انٹرنیشنل نیٹ ورک

مالی تعاون: انٹرنیشنل نیٹ ورک

IUCN رکن

دی ورلڈ کنسرویشن یونین

نہیں ہوا۔ اس پلان پر عمل درآمد کا نہ تو
سیاسی فیصلہ ہوا ہے اور نہ ہی اسے قانونی
تحفظ ملا ہے۔ شر کے معاملات کو چلانے
کے لئے ۲۰ سے زائد ادارے کام کر رہے
ہیں ان میں کچھ وفاقی حکومت کو جواب دہ
ہیں اور ماسٹر پلان اور حکومت سندھ کے
مقاصد کے خلاف کام کر رہے ہیں۔ ماسٹر
پلان کو بڑھتی ہوئی رہائشی ضروریات کے
لئے کام کرنا چاہئے اور اس کی منصوبہ
بندی کرنی چاہئے۔

شری ترقی کے اس پیچیدہ اور
کثیرا بلجتی کھیل کے شرکاء کے اغراض و
مقاصد میں ہم آہنگی، شفاف پن، احتساب
اور پیشہ ورانہ مہارت درکار ہے۔ گھراں
کمیٹی کے شرکاء کو بھی خود اپنا محاسبہ کرنا
چاہئے۔ اس سے غیر قانونی تعمیرات کی
تعداد کم سے کم ہو جائے گی۔ ”آباد“ کو
اپنی تنظیم کے اغراض و مقاصد میں واضح
طور پر کٹنا چاہئے کہ وہ فلیش، ڈاکٹس اور
تجارتی عمارتیں صرف تعمیرات اور شری
منصوبہ بندی کے قوانین کی پابندی کرتے
ہوئے تعمیر کرے گی۔ پاکستان انجینئرنگ
کونسل کو شریوں کو ایسی بلند بالا عمارتوں
میں رہائش کے خطرات سے بچانا چاہئے جو
اسٹریکچرل انجینئرز، اسٹریکچرل ڈرائنگ،
معیاری حساب یا ماہرین کی نگرانی کے بغیر
تعمیر کی گئی ہیں۔

پاکستان کونسل آف آرکیٹیکٹس اور
پاکستان انجینئرنگ کونسل کو ایسے
آرکیٹیکٹس اور انجینئرز کے خلاف
کارروائی کرنی چاہئے جو غیر قانونی تعمیرات
کے سلسلے میں بلڈرز، سیاستدانوں اور
افسران کی مدد کر کے وائٹ کالر کرائم کا
ارتکاب کر رہے ہیں۔ ایسے تمام
آرکیٹیکٹس اور انجینئرز کے لائسنس
عدالت کا فیصلہ آنے تک خود ان کی متعلقہ
تعمیموں کو معطل کر دینے چاہئیں۔

”شری“ اپنے وکیلوں کی حوصلہ
افزائی کرے گی کہ وہ عدالتوں اور کے بی

سچائی کا جرم

مجھے خبر ملی کہ میرے ایک دوست نوید حسین کو جن کے ساتھ میرے خاندانی
تعلق ہیں، کوئی مادی گئی ہے اور وہ آغا خان اسپتال میں زخمی حالت میں زندگی کی
مکملش میں مبتلا ہیں۔ نوید حسین ایک غیر سرکاری تنظیم ”شری“ کے رکن ہیں۔ یہ
تنظیم ماحولیات کے تحفظ کے لئے کراچی میں سرگرم عمل ہے۔
”نوید حسین کو کیوں کوئی مادی گئی؟“

اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس تباہ حال اور برباد شہر میں جو کچھ بچ گیا تھا اسے گریٹ
اور ٹریس لوگوں کی دسترس سے بچانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس شہر میں جو کچھ
بچ رہا تھا وہ اسے روکنے یا کم از کم اس کی رفتار مدہم کرنے کی سعی کر رہے
تھے۔ نوید حسین ڈاکٹر زئی میں کوئی کاشکار نہیں ہوئے، انہیں کسی خوبی کا نشانہ
بھی نہیں بنایا گیا۔ یہ کارروائی مستقام بھی نہیں تھی ان پر قاتلانہ حملہ اس لئے کیا گیا
کہ وہ سرے لوگ اس سے سبق سیکھیں اور وہ کراچی میں ماحولیات کو خراب کرنے کی
کارروائیوں میں رکاوٹ نہ بنیں، ان کے کام میں کسی قسم کی رخصت انداز ہی نہ
کریں۔ اس قاتلانہ حملہ سے نوید حسین ہم سب لوگوں کو دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ
”ہم قاتلوں کو کوئی خوف و خطر نہیں ہے، ہم سزا اور جڑا سے نہیں ڈرتے، ہم
جس شخص کو قتل کرنا چاہیں اسے سورج کی روشنی میں قتل کر دیتے ہیں اور تلافی اور
تاہل وزیروں، ان کے قریبی مشیروں اور ان کی حمایت کرنے والوں کو موقع دیتے ہیں
کہ وہ فاتحہ خوانی پر آئیں اور اختیارات میں پھولنے کے لئے اپنے فوٹو اتروالیں۔“

”شری برائے بہتر ماحول“ یہ ادارے کا نام ہے جس کے بانی نوید حسین ان دنوں
اسپتال میں اپنی زندگی کی جنگ لڑ رہے ہیں، شری نے ناجائز تہذیب و ثقافت کے خلاف اور
ضابطہ کے منافی باہی دائرہ مہارتوں کی تعمیر کے خلاف اس شہر میں بڑی دلیری اور ثابت
قدمی سے جنگ لڑی ہے۔ کئی عمارتیں اس کی کوشش سے توڑ دی گئی یا ان کی تعمیر
روک دی گئی۔ یہ کام پی ای سی ایچ ایس اور گارڈن کے علاقے میں خاص طور پر ہوا۔
ہمت سے تعمیراتی ادارے شری سے اور خاص طور پر اس کے بانی صدر سے خوش نہیں
ہیں۔ کراچی اپنے تین بڑے ”ذرائع آمدنی“ کے لئے دنیا بھر میں شہرت حاصل کر چکا
ہے۔ منشیات کی اسمگلنگ، ناجائز اسلحہ کی تجارت اور زمینوں پر قبضہ، زمین کی مد سے
لوگ راتوں رات لاکھوں کروڑوں روپے کے مالک ہو جاتے ہیں۔

چند روز قبل جب نوید حسین اپنے آفس میں تھے، غالباً دو افراد آئے ان کے
ساتھ ملاقات کی ”ادھر ادھر کی باتیں کہیں پھر ان سے پانی مانگا اور جب وہ پانی لاکھا اس
لینے کے لئے پینے تو ان پر قاز کر دیا۔ پانی کا جواب گولی۔ یہ دیدہ دیر اور انسان، جسمی
کی خوفناک مثال ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ جن لوگوں کے مفاد پر زور دتی ہے، وہ سب
کچھ کر سکتے ہیں اور بنیادی انسانی قدروں کی بھی پروا نہیں کرتے۔ حسن علی بھائی

اس سے ایسی تمام کثیرالمنزلہ عمارتوں
کو غیر قانونی اور رہائش کے لئے خطرناک
قرار دلو کر خالی کروائیں اور انہیں مندم
کروائیں جن کی تعمیر سے قتل زمینی ٹیسٹ
نہیں کرائے گئے ہیں اور نقشہ پینگی
منظوری کے لئے پیش نہ کیا گیا ہو۔ قواعد
کے تحت کے بی سی اے کے اسٹریکچرل
ڈیزائن کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ قانونی
پہلو کے علاوہ کثیرالمنزلہ عمارتوں کی تعمیر کی
بانی صفحہ ۱۹

پیچیدہ شہری زندگی کا دباؤ!

تیسری دنیا کے ممالک میں شہروں میں تیزی سے آبادی کی منتقلی ایک حقیقت ہے۔ یہ ناگزیر بھی ہے۔ شہری ایجنسیوں نے نہ تو اتنے بڑے پیمانے پر آبادی کی منتقلی کی منصوبہ بندی کی ہے اور نہ وہ اس کے لئے تیار ہیں۔ یہ ماحول کے فطری نظام کی تبدیلی کا آغاز ہے۔

ماحول اور شہری امور ڈویژن کے سروے کے مطابق شہری آبادی میں یہ اضافہ، آبادی کی منتقلی، قدرتی اضافے اور مضافاتی دیہات کی شہروں اور قصبوں میں شمولیت کے باعث ہوتا ہے۔ نخل ہونے والوں کا رخ زیادہ تر بڑے شہروں کی جانب ہوتا ہے جو پہلے ہی کچی بستیوں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ موجودہ اطلاعات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ملک میں تقریباً ۲۳۰۰ کچی آبادیاں ہیں جن کی آبادی تقریباً ۵۵ لاکھ ہے۔ پانچ سال قبل اندازہ لگایا گیا تھا کہ صرف کراچی میں ۴۳۲ ایسی بستیاں تھیں جن میں ۲۳ لاکھ افراد آباد تھے ان بستیوں کا رقبہ ۶۰۰۰ ہیکٹر تھا۔

کراچی کی آبادی ۶ فیصد سالانہ کی شرح سے بڑھ رہی ہے۔ جبکہ سماجی اور شہری سولتوں میں صرف ۲ فیصد کی ست رفتار شرح سے اضافہ ہو رہا ہے۔ ٹلوں کے ذریعے پانی اور سیوریج کی سولتیں صرف ۳۰ فیصد گھروں میں دستیاب ہیں۔ صحت اور معیار زندگی (جسمانی، ذہنی اور سماجی) کا بھی زیادہ تر دارو مدار انہی عوامل مثلاً رہائش، پانی، سڑکیں، ٹرانسپورٹ

جلی، ماحولیاتی آلودگی، لیبر کنٹرول وغیرہ پر ہوتا ہے، دوسرے عوامل میں جن کی اقوام متحدہ نے نشاندہی کی ہے خوراک کا استعمال اور ملاوٹ، پیچیدہ، تعلیم، لباس، سماجی تحفظ، تفریحات اور انسانی حقوق کی صورت حال شامل ہیں۔

پاکستان میں ایک عظیم مسئلہ حیاتیاتی آلودگی ہے، جس میں پانی میں انسانی فضلے کی آلودگی بھی شامل ہے۔ ایک جائزے کی تشریح رپورٹ کے مطابق جس کی

جرمانہ بد انتظامی کے سبب وہ غیر موثر رہتے ہیں۔

صحت کی سولتوں کی فراہمی کے نظام میں خواہ کتنی ہی توسیع کردی جائے، صحت عامہ کی صورت حال تبدیل نہیں ہوگی تاوقتیکہ بنیادی اسباب پر مناسب توجہ نہ دی جائے، بلدیاتی ادارے جو اقتاعی اور حفاظتی سرگرمیوں کے ذمہ دار ہیں صرف فوری طور پر نظر آنے والے اور سیاسی طور پر فائدہ پہنچانے والے اداروں مثلاً

دجوں کے خون میں سسے کی سطح محفوظ حد سے زیادہ ہے جس کا سبب ٹریفک کا دھواں ہے۔

ملاوٹ اور جعلی ادویات صورت حال کو بدتر بنا رہیں ہیں

ہسپتالوں اور ڈسپنسریوں کے لئے کام کر رہے ہیں۔

صحت کو درپیش ظاہر و نمایاں خطرات کا تعلق انسان کی اس حیرت انگیز صلاحیتوں سے ہے جن کی مدد سے وہ انتہائی غیر فطری اور نامساعد ماحول میں بھی زندہ رہتا ہے اور کام کرتا ہے۔ پانی، بجلی، ٹرانسپورٹ اور رہائش کے مسائل جیسے شدید دباؤ تو اپنی جگہ ایک مستقل احساس عدم تحفظ انسانی جان کو خطرہ نے صورت حال کو بدتر بنا دیا ہے۔

ذہنی بیماری

جسمانی بیماری خواہ شدید یا پرانی ہو،

فوری طور پر دوسرے محققین کو بھی توجیح کرنی چاہئے، جن بچوں کا جائزہ لیا گیا ان میں سے ۹۲ فیصد بچوں کے خون میں سسے کی سطح محفوظ حد سے زیادہ تھی۔ جس کا سبب ٹریفک کا دھواں بتایا گیا ہے۔ اندیشہ یہی ہے کہ کراچی تباہ ہونے پر تل گیا ہے۔ صنعتی آلودگی بلا روک ٹوک جاری ہے۔ عام آدمی اس بڑے حملے کو اپنی صحت سے منسلک نہیں سمجھتا جبکہ حکام جان بوجھ کر اس مسئلے کو دبانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ غذا میں ملاوٹ، جعلی ادویات اور نیم حکیموں کا ہر جگہ دور دورہ ہے اور خواہ کتنے ہی قوانین بنا لئے جائیں۔ کرپشن اور

معذور کرنے والی یاد دہانی ہو، اس پر توجہ دی جاتی ہے ہمدردی اور تشویش کا اظہار کیا جاتا ہے۔ لیکن ذہنی بیماری کے یا تو وجود سے ہی انکار کر دیا جاتا ہے یا اسے نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ پاکستان سمیت ترقی پذیر ممالک میں ایک فیصد آبادی (ایک کروڑ افراد) معمولی سے لے کر درمیانے درجے کے ذہنی امراض میں مبتلا ہیں۔ منشیات کے بارے میں ایک سروے کے مطابق پاکستان میں ۱۹ لاکھ افراد باقاعدگی سے منشیات استعمال کر رہے تھے۔ منشیات نے ہر گیارہویں گھر کو اور ۱۵ سے ۶۰ سال عمر کے ہر ۲۵ میں سے ایک مرد کو اپنا نشانہ بنا رکھا ہے۔ پاکستان میں تقریباً ایک فیصد بچے کسی نہ کسی حد تک ذہنی طور پر معذور ہیں اور اس سے بھی زیادہ مرگی اور غیر متوازن رویوں کا شکار ہیں۔

نفسیاتی انتشار

ہر معاشرے میں جسمانی یا ذہنی طور پر بیمار لوگوں کا ایک حصہ ہوتا ہے جس کا انحصار اس معاشرے کی ترقی کی صورت حال اور معاشی حیثیت پر ہوتا ہے۔

یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ شہر کی پیچیدہ زندگی کا دباؤ طرز عمل اور طرز زندگی دونوں کو بدل کر رکھ دیتا ہے۔ صورت حال سے عدم مطابقت کی وجہ سے رویے اور طرز عمل میں نقص پیدا ہو جاتا ہے۔

باقی صفحہ ۱۰

کراچی میں پانی کا بحران



حکومت سندھ کراچی واٹر اینڈ سیوریج بورڈ کو نجی

شعبے میں لینے کے لئے ہے ایک شہری تنظیم نے

اس طریقہ کار کو چیلنج کیا ہے اور متعلقہ حکام سے

مطالبہ کیا ہے کہ اس عمل پر نظر ثانی کی جائے

کراچی کا ایک چوتھائی سے زائد حصہ اب بھی پائپ کے ذریعے پانی کی فراہمی سے محروم ہے۔ ٹلوں کے ذریعے بھی پانی کی فراہمی ناکافی اور کبھی کبھار ہوتی ہے۔ پانی میں آلودگی اور سیوریج ایلنے کی وجہ سے تمام شہریوں کی صحت کو خطرہ ہے۔ تقریباً تمام سیوریج دریاؤں اور سمندر کو زہر آلود بنا رہا ہے۔ کسانوں اور ماہی گیروں کو روزی سے محروم کر رہا ہے اور بلا سبب فطرت کو تباہ کر رہا ہے۔

بڑھتی ہوئی نااہلی اور کرپشن کے باعث کم از کم آٹھ سے زیادہ فراہم کیا جانے والا پانی ضائع ہو رہا ہے اور اسے نینکر مانیا منگے داموں فروخت کرتا ہے۔ زیادہ تر صارفین سے پانی کے بل وصول نہیں ہو پاتے، افرادی لاگت زیادہ ہے۔ چنانچہ کراچی واٹر اینڈ سیوریج بورڈ کو اپنے اخراجات پورے کرنے، قرض کی ادائیگی اور دیکھ بھال اور مرمت کے کاموں کے اخراجات کے لئے عبوری زر طمانی اور گرانٹس پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔

ارہوں روپوں کے واجب الادا قرضوں کے باوجود کے ڈبلو ایس سرورسز اور مالیات کے بحران کا شکار ہے۔ یہ مسائل برسائرس سے اپنی سماجی ذمہ داریوں سے پیلو جی کے نتیجے میں پیدا ہوئے ہیں۔ اس سے بھی زیادہ تباہ کن بات یہ ہے کہ ادارے میں سیاسی موقع پرستی اور عوامی وسائل کی کھلی لوٹ کھسوٹ کی گئی۔

جامع اصلاحات کی ضرورت

ان مسائل کا ایک جامع اور مستقل حل تین اصولوں پر مبنی ہونا چاہئے۔ اول، یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ تمام شہریوں کو بنیادی خدمات کی ایک معقول سطح پر فراہمی کو یقینی بنائے۔ دوسرے، کم لاگت منصفانہ تقسیم کے لئے ضروری ہے کہ تقسیم کے نظام میں بنیادی اصلاحات

کی جائیں اور ادارے کی کارکردگی کو مائیکر کیا جائے۔ تیسرے، یہ کہ ان مقاصد کے حصول کے لئے پرائیویٹائزیشن نہ تو ضروری ہے اور نہ ہی کافی۔

پرائیویٹائزیشن کی تنگ نظر

حکمت عملی

بین الاقوامی مشورے پر عمل کرتے ہوئے حکومت سندھ نے کی ایس ڈبلو بی میں اصلاحات کو صرف زیادہ سے زیادہ پرائیویٹائزیشن تک محدود کر دیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اصلاحات کی سرکاری حکمت عملی کے نتیجے میں اجاڑوں کے بجائے تجارتی قرضوں کا بوجھ بڑھے گا اور بین الاقوامی سرمائے کے چکر میں رہی سہی کارکردگی بھی قریباً ہو جائے گی۔ کم آمدنی والے گھرانے پھر بھی پانی کی سپلائی کے سلسلے میں سب سے آخری ترجیح ہوں گے۔ نہ سیوریج کی سولوں میں اضافہ ہوگا اور نہ ہی دریاؤں اور سمندر میں آلودگی کم ہوگی۔ آئندہ پانچ برسوں میں پانی کی شرح میں ۳۰۰ فیصد اضافہ ہو جائے گا۔ صارفین پر ڈالے جانے والے اس بھاری بوجھ کو بہتر کارکردگی اور بہتر خدمات سے بھی مشروط نہیں کیا گیا ہے۔ عملے کی تعداد آدھی کی جارہی ہے لیکن یہ وعدہ بھی نہیں کیا جا رہا ہے کہ لیبر کی لاگت میں بھی اتنی ہی کمی ہوگی۔ پرائیویٹائزیشن کے پانچ سال بعد بھی اگر پانی کی ایک تہائی مقدار ہی کھینچ اور چوری کی نذر ہوتی رہی تو موثر آب رسانی کا نظام محض سراب ہی رہے گا۔ ۱۹۹۸ء کے وسط سے کے ڈبلو ایس بی کا پورا نظام کثیر القومی کمپنیوں کو مفت میں حوالے کر دیا جائے گا اس کے عوض وہ مطلوبہ سرمایہ کاری کا محض دس فیصد حصہ فراہم کریں گی۔ تاہم صارفین کو نہ صرف ان کا بھاری منافع بلکہ موجودہ اور آئندہ قرضوں کے اربوں روپے بھی ادا کرنے



پاکستان میں تھیٹر کی تحریک

”لال قلعہ سے لالو کھیت“ میں پہلی بار سہاجروں

کے مسائل کی نشاندہی کی گئی تھی

”ڈسک“ گروپ قائم کیا۔ ہو سکتا ہے انہوں نے اس کا آغاز کیا ہو لیکن وہ یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ یہ مکمل طور پر انہی کا آئیڈیا تھا۔ دراصل کیونٹ پارٹی آف پاکستان نے سونے ہوئے ذہنوں کو جھنجھوڑنے کا فیصلہ کیا تھا۔ یہ بہت کٹھن وقت تھا کیونکہ ضیاء الحق کی آمریت کا دور تھا۔ ”ڈسک“ میں بہت سے غیر کیونٹ بھی شامل ہو گئے تاکہ وہ بھی فنکارانہ سرگرمیوں میں حصہ لے سکیں اور سیاسی فکر اور تحریک کو آگے بڑھا سکیں۔

”قاضی واجد“ عمران اسلم، راحت کاظمی، کمال احمد رضوی، خالد احمد، ضیاء الحق الدین اور دوسرے سبھی لوگوں کا خیال ہے کہ یہاں تھیٹر پھل پھول نہیں سکتا کیونکہ یہاں کمائی نوٹس نہیں ہیں ہم اب تک جو کچھ کرتے رہے ہیں اور حتیٰ کہ اب بھی جو کچھ کر رہے ہیں وہ محض ماخوذ ہے اصل کمائی نہیں۔ راحت کاظمی کا کہنا ہے کہ ”تھیٹر کے لئے طبع زاد کمائیاں چند ایک ہی لکھی گئی ہیں ہم زیادہ تر اصل

اس سے اتنے سمور ہوئے کہ اسی کو اپنا پیشہ بنالیا۔ گزشتہ تقریباً پچاس برسوں کے دوران ناکامیوں اور مایوسیوں کے باوجود وہ اب بھی اسی راہ پر گامزن ہیں اور تھیٹر کرتے ہیں۔

دوسری جانب منصور سعید کے لئے تھیٹر بھی ایک شدید خواہش اور جذبہ نہیں رہا وہ تو بس اسے اپنے سیاسی نظریات اور سرگرمیوں کو آگے بڑھانے کے لئے ایک ذریعے (میڈیم) کے طور پر استعمال کرتے تھے تاکہ عوام میں شعور پیدا کیا جاسکے۔ چنانچہ ۱۹۷۸ء میں انہوں نے

ممتاز فنکاروں کا خیال ہے
کہ ہمارے ہاں طبع زاد
کمائی نوٹس بہت کم ہیں
ہمارے کھیل زیادہ تر ماخوذ
ہوتے ہیں

پاکستان میں تھیٹر کی تاریخ کا غالباً سب سے پہلا کھیل خواجہ معین الدین کا ”لال قلعہ سے لالو کھیت“ تھا۔ یہ کھیل بہت مقبول ہوا۔ کیونکہ یہ کراچی کے باشندوں اور خصوصاً سماجیوں کو درپیش مسائل کے بارے میں تھا۔ یہ کھیل ان کی امیدوں، آرزوؤں، دکھوں اور مایوسیوں کے بارے میں تھا۔ ایک جرمن شہری بیکرز کھیلے جو ۱۹۵۲ء میں کراچی آیا تھا اور ڈرامے کی ہدایت کاری کرتا تھا تاکہ ”اصل سماج جو لالو کھیت میں غربت اور پسماندگی کی زندگی گزار رہے تھے ایک روپے کا نوٹ لے کر تھیٹر دیکھنے آتے تھے اور جب ٹکٹ فروخت ہو جانے کی وجہ سے انہیں لوٹنا پڑتا تھا تو وہ بہت مایوس ہوتے تھے۔“

کمال احمد رضوی کا کہنا ہے کہ ”میں اب بھی تھیٹر کر رہا ہوں اور خود کو بے وقوف بنا رہا ہوں۔“ کمال احمد رضوی صرف سات آٹھ برس کے تھے جب ہمارے میں انہوں نے پہلی بار تھیٹر دیکھا۔ اور وہ

نااہلی اور کرپشن کے باعث کم از کم آدھے سے زیادہ فراہم کیا جانے والا پانی ضائع ہو رہا ہے اور اسے ٹینکر مافیا منگنے داموں فروخت کرتا ہے

پڑیں گے۔

پرائیویٹائزیشن کے بعد خدمات کو بہتر بنانے کی بھی کوئی ضمانت نہیں لی گئی ہے۔ بجائے اس کے کہ مرکزیت کو ختم کر کے مقامی لوگوں کی شراکت سے نظام کو مزید موثر اور منصفانہ بنایا جائے تمام آبی خدمات پر نجی اجارہ داری مسلط کر دی جائے گی۔

یہ کہنا درست ہو گا کہ حکومت نے ایک انتہائی غلط اصلاحی حکمت عملی کی تو تھیٹر کی ہے۔ غیر ملکی کنسٹنٹ غیر مناسب اور خود فریضاندہ مشورے ہی دیں گے جن کے نتائج سماجی اعتبار سے شہر کے لئے تباہ کن ثابت ہوں گے۔ بین الاقوامی قرضے دینے والوں کے نئے پر آنکھ بند کر کے عمل کرتے وقت ہم ماضی کے سبق کو بھول جاتے ہیں۔

بحث اور منظوری

یہ بات تو واضح ہے کہ کے ڈیپو ایس بی کو ماضی کی طرح معمول کے مطابق اپنا کاروبار چلانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دینا ضروری ہے کہ آبی خدمات کے بحران کا مناسب اور پائیدار حل جلد بازی میں کی جانے والی پرائیویٹائزیشن بھی نہیں ہے۔ تنگ نظر سرکاری حکمت عملی

تھیٹر ابلاغ اور اظہار

کا ایک انتہائی طاقتور

وسیلہ بنے یہی وجہ بنے

کہ ہمارے ہاں تھیٹر

پر پیشکش سے پہلے

ہی سنسرشپ کی

پابندی عائد ہے

عوام تک پہنچایا جاسکے۔ میرے نزدیک تھیٹر سماج کو بدلنے کا ایک موقع فراہم کرتا ہے۔ تھیٹر ابلاغ اور اظہار کا ایک انتہائی طاقتور وسیلہ ہے یہی وجہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں صرف تھیٹری وہ صنف ہے

کمانی میں ردوبدل کر کے ہی پیش کرتے ہیں۔ بعض لوگوں نے محسوس کیا کہ جن موضوعات کا انتخاب کیا جاتا ہے وہ ہمارے حقیقی مسائل کا احاطہ نہیں کرتے۔

پاکستان میں تھیٹر کرنے کے معنی یکے بعد دیگرے حکومتوں سے نیرو آزما ہونا اور ان کی ناروا پابندیوں مثلاً متعدد این او سی حاصل کرنا، پولیس اور ایکسائز سے کیٹرنس لینا اور سنسرشپ کی پابندیوں کا مقابلہ کرنا ہے۔ گزشتہ پچاس برسوں کے دوران اسی لئے ہمارے ہاں تھیٹر پنپ نہیں سکا جبکہ سرحد پار ہمسایہ ملک میں اس نے دن دوئی رات چوگنی ترقی کی ہے۔ ہاں سینکڑوں گروپ سرگرم عمل ہیں۔ اکادمیاں اور ادارے قائم ہیں اور ملکی روایات کو بڑی مہارت اور کاسیانی کے ساتھ جدید ٹیکنیک کے ساتھ سودا گیا ہے۔ بنگلہ دیش میں ایک ہزار سے زائد رجسٹرڈ تھیٹر گروپ ہیں۔ صرف ڈھاکہ میں دو سو سے زائد گروپ باقاعدہ طور پر سال کے ہر دن بلاناغہ پر فارمنس دے رہے ہیں۔

سماجی، اخلاقی اور ماحولیاتی

پیغامات کی ترسیل

مرحوم علی احمد نے تقسیم سے قبل ہندوستان میں تھیٹر کو مزدور تحریک کے ایک حصے کے طور پر شروع کیا تھا۔ اپنے ایک انٹرویو میں انہوں نے کہا تھا کہ ”ہم تھیٹر کو ایک وسیلے کے طور پر استعمال کرتے ہیں تاکہ ہم جو کچھ محسوس کرتے ہیں اسے

جس پر پیشکش سے پہلے ہی سنسرشپ کی پابندی عائد ہے۔“

آج کے دور میں جب ہم ہامقصد تھیٹر کی بات کرتے ہیں تو صرف یاسمین اسٹیل



خالد احمد اور شیماکرمانی کے ڈرامے کا ایک منظر



تھیٹر بچوں کی تربیت کا ایک موثر وسیلہ بن سکتا ہے

توجہ دیتے ہیں جن سے ہمارا آج کا شہری معاشرہ دوچار ہے۔

بعض لوگ اپنے تھیٹر کو ”احتجاج کا تھیٹر“ یا ”سیاست کا تھیٹر“ قرار دیتے ہیں۔

لیکن اس کے برعکس کچھ گروپ کے تھیٹر والوں کے ہیں جو متوازی تھیٹر کے طور پر

کام کر رہے ہیں۔ وہ کبھی کبھار ہی کام کرتے ہیں اور ان میں سے کچھ تو گلی کے

تھیٹر کے طور پر کام کرتے ہیں۔ لاہور میں گزشتہ دس برسوں سے ”اجو کا“ سماجی

حقیقتوں کی عکاسی کرتا چلا آ رہا ہے۔ وہ آبادی میں بے تحاشہ اضافے، دیکی زندگی

کی پیچیدگیوں کی مثالوں، بنیادی سولتوں کے فقدان ”وہ سٹ“ کی مذموم رسم جیسے

معاملات کی بات کرتے ہیں۔

اسٹریٹ تھیٹر کی قوت

۱۹۸۷ء میں نوجوانوں کا ایک گروپ

”اجو کا“ ہے الگ ہو گیا اور اس نے ”پنجاب لوک ریس“ کے نام سے اپنا

ایک الگ گروپ قائم کر لیا۔ جو چیز انہیں دوسروں سے منفرد کرتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ

اپنے کھیل پنجابی زبان میں کرتے ہیں، کبھی کامیڈی نہیں کرتے اور زیادہ تر سنجیدہ

موضوعات پر کھیل کرتے ہیں جن میں ایک واضح سماجی پیغام ہوتا ہے۔ انہوں نے

ایک کھیل کیا تھا جو زیادتی کا نشانہ بننے والی خواتین اور ان کے ساتھ معاشرے کے

سلوک کے موضوع پر تھا۔ انہوں نے چند باقی صفحہ ۲۲

اور ان کا گریس تھیٹر ہی اس کے نزدیک نظر آتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ”جرمن

زبان میں گریس کا مطلب دماغ لڑانا یا ذہنی مشق ہے۔ یہ کھیل بچوں کے بارے میں



اچھا تھیٹر اثر چھوڑتا ہے

ہوتے ہیں جو بہت افسانہ ہوتے ہیں اور اپنی ذہانت سے اپنے والدین کو خود کو احسن

کھینچنے پر مجبور کر دیتے ہیں بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ان کے کھیل طنزیہ اور توہین آمیز

ہوتے ہیں۔ لیکن وہ بڑے حرفانہ انداز میں کہتی ہیں کہ ان کے کھیل بے مقصد

اور لاپرواہی نہیں ہوتے۔ تھیٹر تعلیم کا ایک ذریعہ ہے اگر میں اس کے ذریعے بنیادی

سطح تک رسائی حاصل کر سکوں اور انہیں چھوٹی چھوٹی باتوں کے بارے میں ہی

سوچنے پر آمادہ کر سکوں تو اس نسل کے لئے جسے ہم نے بہت بری طرح بگاڑ دیا ہے

یہ دنیا رہنے کی بہتر جگہ بن سکتی ہے۔ گریس کے کھیل زیادہ تر ان مسائل پر

ہسپتالوں میں استعمال شدہ

سرنجوں کا کاروبار



نام اور ٹیلی فون نمبر بھی بتایا اور پیشکش کی کہ وہ ڈسپوزا بل اشیاء کی سولاریاں فراہم کر سکتا ہے۔ اس نے ہمارے دوست کو بتایا کہ وہ اسے دوسرے مقامی ہسپتالوں کے بھی متعلقہ آدمیوں سے ملوانے کا جو یہ کاروبار کرتے ہیں۔

یہ بڑی شرم کی بات ہے کہ وہ ادارے جو عوام کی زندگیاں بچانے کے ذمہ دار ہیں موت کی سوداگری کے اس کھیل میں شریک ہیں۔ ان ہسپتالوں کی اعلیٰ ترین انتظامیہ کو (اگر وہ خود اس میں ملوث نہیں ہے) اس صورتحال کا فوری خاتمہ کرنا چاہئے اور حکومت کو بھی اس انتہائی سنگین مسئلے پر فوری توجہ دینی چاہئے۔

(امان اللہ اور سلام اللہ میمن انجینئرنگ کے طالب علم ہیں)

دوست سے مدد مانگی جس نے ایک دو اساز کپنی کے نمائندے کی حیثیت سے کچرے کو ٹھکانے لگانے والے ملازم سے ملاقات کی اور اس سے ڈسپوزا بل سرنجوں خریدنے کی پیشکش کی۔ وہ اہلکار اسے فوراً ہی بھیجی کے قریب بنے ہوئے کمرے میں لے گیا جو استعمال شدہ سرنجوں

ہے۔

ابتداء میں سینئر اسٹاف نے ہمیں بتایا کہ سرنجیں ناکارہ کردی جاتی ہیں ان کی سولیاں توڑی دی جاتی ہیں اور انہیں بھیجی میں جلا دیا جاتا ہے۔ تاہم جب ہم نے بھیجی کا معائنہ کیا (جو اس وقت کام کر رہی تھی) سب سے پہلے تو ہمیں بھیجی کا اتنا چھوٹا سا سز

آج کل ایڈز اور برقان کی مختلف شکلوں کے اسباب اور اثرات کے بارے میں عوام میں شعور و آگہی پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ان بیماریوں کے انسانوں میں پھیلنے کا ایک بڑا سبب استعمال شدہ آلودہ سرنج کا استعمال بھی ہے۔ شہر کے چند ہسپتالوں کے سوا جو کچرے کو جلانے والی بھٹیاں استعمال کرتے ہیں، بیشتر ہسپتالوں کا کچرا ہسپتال کی چادر دیواری کے اندر ہی یا قریب ہی ہوتی کچرا کنڈی (ڈسٹ بن) میں پھینک دیا جاتا ہے۔ حال ہی میں ”بزنس ریکارڈ“ میں شائع ہونے والے ایک سروے میں بتایا گیا کہ نیوکراچی، پوٹل گلی، افراسیاب کالونی اور لائٹ ہاؤس کے تقریباً ”تیس سے زائد تاجر استعمال شدہ ڈسپوزا بل (پھینک دی جانے والی) سرنجیں کباڑیوں سے خرید کر انہیں دوبارہ استعمال کے لئے نئے سروے سے پیک کر دیتے ہیں۔

سروے میں بتایا گیا کہ شہر کے کچھ بڑے ہسپتالوں جن میں سرکاری اور پرائیویٹ دونوں شامل ہیں کی انتظامیہ بھی شعوری طور پر یا لاطمی میں اس مذموم کاروبار میں شریک ہے۔ کراچی شہر کے چند بڑے پرائیویٹ ہسپتالوں میں کچرے کو ٹھکانے لگانے کے بارے میں ایک ماحولیاتی سروے کے نتیجے میں یہ انکشاف ہوا کہ ان ہسپتالوں میں استعمال شدہ ڈسپوزل سرنجوں کی (جن کی سولیاں نہیں توڑی جاتیں) فروخت کا کاروبار جاری

عوام کی زندگیاں بچانے کے ذمہ دار ادارے موت کی

سوداگری کیے کھیل میں شریک ہیں

(جنہیں ناکارہ نہیں کیا گیا تھا) اور بوتلوں ڈرپ وغیرہ سے بھرا ہوا تھا اور وہ سب فروخت کے لئے تھیں، اس اہلکار نے ہمارے دوست کو ہسپتال کے ٹھیکیدار کا

دیکھ کر حیرت ہوئی جو اتنے بڑے ہسپتال کی ضروریات پوری کرنے کے لئے کافی تھی۔ ہمیں یہ دیکھ کر دوسری حیرت کا سامنا کرنا پڑا کہ جلانے جانے والے کچرے میں کوئی سرنج نظر نہیں آ رہی تھی۔ جب ہم نے اس بارے میں متعلقہ اہلکار سے پوچھا تو اس نے جواب دیا ”بابو۔ سرنجیں نہیں جلائی جاتیں، بلکہ انہیں الگ کر کے ٹھیکیدار کے ہاتھ بچ دیا جاتا ہے اس سے اچھی خاصی رقم ملتی ہے۔ آپ کیا چاہتے ہیں ہم اپنی روزی جلا ڈالیں۔“ یہ پریشان کن اطلاع ملنے پر جب ہم نے ہسپتال کے انتظامی عملے سے رجوع کیا تو انہوں نے سروے سے ہی انکار کر دیا کہ ایسا بھی ہوتا ہے۔

ہم نے اپنی تحقیقات کا رخ تبدیل کرنے کا فیصلہ کیا۔ ہم نے اپنے ایک

ایڈیٹر کالوٹ

شہر کے بیشتر ہسپتالوں میں کچرے کو یہ حفاظت ٹھکانے لگانے کا معتاد انتظام ہے ہونے کی وجہ سے گزشتہ کئی برسوں سے ہسپتالوں کے ضروریات کچرے کو غیر مناسب طور پر پھینک دینے کا مسئلہ خطرناک حد تک سنگین ہوتا جا رہا ہے۔ ”شہری“ نے کسی ہسپتال کا نام لئے بغیر اس مسئلہ کو اور قیام انسانی نوعیت کے لئے موسم کاروبار کی متنازعہ کی ہے۔ کوئی بھی شخص یا تنظیم جو اس مسئلے کو حقیقت حکام کے سامنے پیش کرتے یا کسی فورم پر اس پر بحث کی خواہش مند ہو وہ خوشی ”شہری“ سے رابطہ قائم کر سکتی ہے۔ کوئی شخص جس کے پاس اس سنگین مسئلے کے بارے میں ہم پر کلمہ خدا کے لئے بتا رہیں۔

ایڈیٹر



”شہری“ کے ساتھ ایک شام

کراچی میں ماحول کے انحطاط کے مسئلے کے بارے میں عوام میں آگہی پیدا کرنے اور ”شہری“ کی انتظامیہ اور عملے کے لئے فنڈز اکٹھا کرنے کی غرض سے شہریوں کو دعوت دی گئی کہ وہ کچھ وقت ”شہری“ کی ٹیم کے ساتھ گزاریں اور کراچی کے ماحول سے متعلق مسائل کے بارے میں تبادلہ خیال کریں۔ ممتاز تاجر اور کالم نویس ارشد شیر کاؤس جی مہمان خصوصی تھے جبکہ پروگرام کے رابطہ کار ”شہری“ کے ممبر مسز عمران جاوید تھے۔

شہری برائے بہتر ماحول کی جنرل سیکریٹری امیر علی بھائی نے شہری اور اس کی سرگرمیوں کا مختصر تعارف کرایا۔ شہری کے رکن رولینڈ ڈی سوزا نے ایک عام شہری کی ذمہ داریوں کے بارے میں اظہار خیال کیا۔

جناب ارشد شیر کاؤس جی نے رولینڈ ڈی سوزا اور امیر علی بھائی جیسے افراد کے ”اپنی مدد آپ“ کے جذبے کی تعریف کی اور کہا کہ شہری کی ٹیم مجموعی طور پر اپنی ذاتی اور پیشہ ورانہ سرگرمیوں میں سے وقت نکال کر کراچی کے شہریوں کی اجتماعی بہبود کے لئے کام کر رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ”شہری“ چونکہ ایک غیر منافع بخش رضا کار تنظیم ہے اسے شہریوں کی جانب سے بھرپور اخلاقی اور مالی مدد کی ضرورت ہے کیونکہ یہ انہی کے لئے ایک بہتر ماحول پیدا کرنے کی جدوجہد کر رہی ہے۔ جناب کاؤس جی نے تحیر حضرات اور تاجروں سے اپیل کی کہ وہ آگے بڑھیں اور شہری کے لئے عطیات دیں۔ جناب کاؤس جی نے خود بھی ”شہری“ کے لئے ایک بھاری رقم کا عطیہ دیا۔ اس موقع پر مقامی تاجروں مشرا احمد ابراہیم اور لیلیٰ فرخ نے بھی عطیات دینے کا اعلان کیا۔

اس موقع پر شہری ماحول کے مسائل سے متعلق یونیسف کی تیار کردہ ایک دستاویزی فلم کی بھی نمائش کی گئی۔



ارشد شیر کاؤس جی خطاب کر رہے ہیں



عمران جاوید نے پروگرام کی میزبانی کی



شہری کا ساتواں سالانہ اجلاس عام

”شہری“ کے ساتویں سالانہ عام اجلاس کے ایجنڈے میں مندرجہ ذیل امور شامل تھے۔

- ۱۔ ۱۹۹۶ء میں شہری کی سرگرمیوں کے بارے میں جنرل سیکریٹری کی رپورٹ۔
 - ۲۔ ۳ دسمبر ۱۹۹۶ء کو ختم ہونے والے سال کے لئے آڈٹ شدہ حسابات کی منظوری۔
 - ۳۔ سال ۱۹۹۷ء کے لئے آڈیٹرز کے تقرر اور معاوضے کی منظوری۔
 - ۴۔ چیئرمین، وائس چیئرمین، جنرل سیکریٹری، خازن اور ٹیننگ کمیٹی کے تین ارکان کا انتخاب۔
- شہری برائے بہتر ماحول کے چیئرمین قاضی فائز عیسیٰ نے اجلاس کی صدارت کی۔ انہوں نے ۱۹۹۶ء کے دوران شہری کی سرگرمیوں کی رپورٹ پیش کی۔ شرکاء کو شہری کی مختلف سب کمیٹیوں کی سرگرمیوں کے بارے میں بتایا گیا۔ میڈیا اور یونیورسٹی روابط سب کمیٹی کی رپورٹ بھی پیش کی گئی اور اس بات پر افسوس کا اظہار کیا گیا کہ مالی تنگی کی وجہ سے ”شہری“ کے سہ ماہی نیوز لیٹر کا سلسلہ منقطع کرنا پڑا۔ یہ بھی بتایا گیا کہ شہری کے نیوز لیٹر مقبول ہو رہے ہیں اور ان کے قارئین کی تعداد بڑھ رہی ہے۔

سال ۱۹۹۶ء کے آڈٹ شدہ حسابات پڑھ کر سنائے گئے اور شرکاء میں ان کی نقول تقسیم کی گئیں۔ ۱۹۹۷ء کے لئے آڈیٹرز کے معاوضے کا بھی فیصلہ کیا گیا۔ چیئرمین، وائس چیئرمین، جنرل سیکریٹری اور ٹیننگ کمیٹی کے تین ارکان کا انتخاب بھی عمل میں آیا۔ شہری برائے بہتر ماحول کے انتخابات کے نتائج درج ذیل ہیں۔

- | | |
|-----------------|---------------|
| قاضی فائز عیسیٰ | چیئرمین |
| وکتوبہ ڈی سوزا | وائس چیئرمین |
| امیر علی بھائی | جنرل سیکریٹری |
| نوبہ حسین | ایگزیکٹو ممبر |
| خطیب احمد | ایگزیکٹو ممبر |

اجلاس میں بتایا گیا کہ شہری کی قانونی سب کمیٹی نے کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی اور دیگر متعلقہ شعبوں سے مسلسل رابطہ قائم کر رکھا ہے۔ مشرا احمد علی رانا



شاہ محمد مصباح، مصباح نجی، نوید حسین، مقبول رحمت اللہ، فرحت عادل اور رولینڈ ڈی سوزا خطاب کر رہے ہیں

کے بی سی اے

کی نگران کمیٹی

کی کارکردگی

کا جائزہ



کراچی کے مسٹر بلان

اور متعلقہ اداروں کے

بعض فرسودہ قواعد و

ضوابط پر نظر ثانی کی

ضرورت ہے



”شہری“ نے فریڈرک نومان
 فاؤنڈیشن کے تعاون سے کراچی بلڈنگ
 کنٹرول اتھارٹی کی کارکردگی کے بارے میں
 ایک سینئر منعقد کیا جس کے اغراض و
 مقاصد مندرجہ ذیل تھے۔

○ پی سی اے ٹی پی، پی ای سی اور
 ”آباد“ کے قواعد و ضوابط اور اغراض و
 مقاصد کا جائزہ لینا تاکہ انہیں کراچی اور
 پاکستان کے ٹاؤن پلاننگ اور تعمیراتی
 قوانین اور کے بی سی اے کے طریق کار
 کے مطابق بنایا جاسکے۔

○ نگران کمیٹی کی کارکردگی کا جائزہ لیا
 جاسکے۔

○ نگران کمیٹی کی تشکیل اور اس ضمن
 میں پیدا ہونے والے مسائل کا جائزہ۔

○ کمیٹی کے ارکان کو اپنے فرائض کی
 انجام دہی کے سلسلے میں پیش آنے والے

مسائل کا جائزہ لینا اور ان کا ایسا حل پیش
 کرنا جن سے ادارے میں شفاف پن، پیشہ

دورانہ اور باہمی رابطے کو فروغ حاصل ہو،
 ہر ایک کے ساتھ انصاف ہو جس کے نتیجے

میں ماحول بہتر ہوگا۔

○ گزشتہ نو برسوں کے دوران ناجائز
 تعمیرات سے نمٹنے کے سلسلے میں ”شہری“

کے تجربات اور ان کی وجہ سے شہریوں کو
 درپیش مسائل کا جائزہ اور کراچی کے

مستقبل کا طویل المیعاد جائزہ۔

مقررین

مستر مقبول رحمت اللہ (سابق وزیر ہاؤسنگ

و ٹاؤن پلاننگ، حکومت سندھ)

جناب شاہ محمد مصباح (چیف کنٹرولر بلڈنگ
 کنٹرول اتھارٹی)

ڈاکٹر جمیل احمد (چیئرمین پی ای سی)

جناب مصباح نجی (چیئرمین پی ای سی اے ٹی
 پی)

جناب رولینڈ ڈی سوزا (ایف این ڈی
 شہری کے نمائندے)

نوید حسین

”شہری“ کے نوید حسین نے اپنی
 افتتاحی تقریر میں ایک ایسی طویل المیعاد

غیر قانونی تعمیرات میں بے

لگام اضافے پر قابو پانے کے

لئے کے بی سی اے کو

عدالتی اختیار دیا جائے

ہاؤسنگ و ٹاؤن پلاننگ پالیسی تشکیل دینے
 کی ضرورت پر زور دیا جس میں کچی

آبادیوں (جو شہری آبادی کا ۶۰ فیصد ہیں)
 اور آبادی میں عمومی اضافے (شرح ۶ فیصد

سالانہ) کے مسائل حل کرسکے۔ نوید
 حسین نے ماسٹر پلان پر بھی نظر ثانی کرنے

کی ضرورت پر زور دیا جس پر اس وقت
 عمل نہیں ہو رہا ہے۔ انہوں نے زور دیا

کہ شہری جمہوری بہبود کی خاطر ”آباد“ پی
 سی اے ٹی پی، پی ای سی اے کے بی سی اے

اور دیگر فریقوں کو خود اپنا محاسبہ کرنا
 چاہئے، انہوں نے مطالبہ کیا کہ ان
 اداروں کے بعض فرسودہ قواعد و ضوابط پر
 نظر ثانی کی جائے۔

جناب مقبول رحمت اللہ

نے نگران کمیٹی کا پس منظر بیان کیا
 اور ان حالات اور قاعدہ کا حوالہ دیا جن

میں یہ کمیٹی قائم کی گئی تھی۔ انہوں نے
 ناجائز تعمیرات سے نمٹنے کے سلسلے میں

اپنے ذاتی تجربات بھی بتائے۔

جناب شاہ محمد مصباح

نے غیر قانونی تعمیرات کے مسئلے سے
 نمٹنے کے لئے نگران کمیٹی کے ارکان کے

کردار کی تعریف کی۔ انہوں نے غیر قانونی
 تعمیرات میں بے لگام اضافے کی مختلف

وجوہات بتائیں جن میں آبادی کی سطح میں
 بے تحاشہ اضافہ، املاک کی قیمتوں میں

اضافہ اور شہر کے پھیلاؤ میں اضافی
 بجائے عموماً اضافہ شامل ہے انہوں نے

کے بی سی اے کے قواعد و ضوابط پر
 نظر ثانی کرنے کی ضرورت پر زور دیا اور

کے بی سی اے کو عدالتی اختیارات دینے کا
 مطالبہ کیا۔ انہوں نے ضلعی انتظامیہ،

پولیس اور عدلیہ کے کردار پر بھی نکتہ چینی
 کی۔ انہوں نے ”آباد“ کی جانب سے

توپین عدالت کی درخواستیں دائر کر کے
 پی سی اے کے افسران کو ہراساں کرنے کی

بھی مذمت کی۔ جناب مصباح نے کہا کہ
 اگر صارفین اور خریداروں میں کے بی سی

اے کے قواعد اور طریق کار کے بارے

بقیہ ﴿ شہری زندگی کا دباؤ

سماجی سطح پر اس کا اظہار منشیات پر انحصار، جرائم، ذہنی امراض، تشدد، قتل، خودکشی اور منفی سیاست کی شکل میں ہوتا ہے۔ نفسیاتی سطح پر اس کا اظہار بے حسی اور لائقیت، پریشانی، ڈپریشن، نیند نہ آنا، توہم اور خوف کی صورت میں ہوتا ہے۔ اس کے باوجود ذہنی دباؤ سے پیدا ہونے والے بڑے مسائل میں ذہنی اور جسمانی بیماریاں اور بظاہر کسی بیماری یا معذوری کے خود کو بیمار ظاہر کرنا شامل ہیں۔ چونکہ وہ اس کا تعلق ذہنی دباؤ سے نہیں جانتے اس لئے ان شکایات پر توجہ نہیں دی جاتی یا پھر انہیں غیر ضروری طور پر دوائی اور ٹانگوں کی بھرا کر دی جاتی ہے اور حال ہی میں نام نمد دماغ کو قوت دینے والی ادویات دی جانے لگی ہیں۔ اگرچہ مکمل امداد و شمار دستیاب نہیں ہیں تاہم چند جائزوں سے اس بات کی تصدیق ہوئی ہے کہ ہماری آبادی کا ۵۰ فیصد حصہ صورت حال سے نمٹنے کی صلاحیت نہ ہونے کی وجہ سے خاموشی سے اس عذاب کو بھگت رہا ہے۔

عالمی ادارہ صحت کے مطابق "صحت" صرف ایک باؤ میڈیکل مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر فرد کے سماجی، ثقافتی، نفسیاتی، معاشی اور سیاسی عوامل بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔ سندھ میں اور خصوصاً کراچی میں یہ تمام عوامل منفی انداز میں بڑی شدت کے ساتھ کار فرما ہیں اور ہر قسم کے ایسے دباؤ پیدا کر رہے ہیں جو نارمل انداز میں زندہ رہنے کے لئے سازگار حالات نہیں ہیں۔ بڑے پیمانے پر معمولی بیماریاں، محض زندہ رہنا اور معمولی کارکردگی ایسے مسائل ہیں جن پر فوری طور پر اور محض طبی معائنہ سے بڑھ کر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

(پروفیسر ایس ہارون احمد ملک کے ممتاز سائیکالوجسٹ اور انسانی حقوق کے ایکٹیویسٹ ہیں) (آئی پی سی انجی سرورس)

سفارشات

(۱) سیاسی سطح پر ناجائز تعمیرات سے نمٹنے کا پختہ موسم آیا جائے، اعلیٰ حکام (سیاسی یا نوکری شاہی) کی جانب سے ناجائز تعمیرات کی اجازت دینے کے سلسلے میں کوئی مداخلت نہ کی جائے۔

(ب) اختیارات کے لحاظ استعمال کو روکا جانا چاہئے۔

(ج) سندھ بلڈنگ کنٹرول آرڈی نیشن کی دفعہ ۱۰ میں مناسب ترمیم کی جائے اور ان خلاف ورزیوں کی واضح طور پر نشاندہی کرنی جائے جنہیں روکا جانا چاہئے اور جتنیں ہرگز نہیں کیا جاسکتی۔

(د) کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی کی منظوری سے پہلے ہی شہری سولوں کے اداروں کی جانب سے این ایس ایس طلب کرنے کا سلسلہ بند کیا جائے۔

(ه) شہری سولوں کے اداروں کو پودائیت کی بجائے بلڈنگ پلان کی منظوری سے قبل وہ عارضی سروس فراہم نہ کریں اور کے پی سی ای کے تھیلی سرٹیفکیٹ کے بغیر مستقل کنکشن نہ دے جائیں۔ تاہم درخواست گزار کی درخواست کی منظوری کسی بھی مرحلے پر کی جاسکتی ہے البتہ سروس اتھارٹی کی جانب سے تھیلی کے سرٹیفکیٹ کے اجراء سے پہلے ہرگز نہ دی جائے۔

(و) عدالتوں سے درخواست کی جائے کہ سول مقدمات میں حکم امتناعی جاری کرنے سے قبل وہ ان امور پر غور کریں۔

(ز) راجن اختیار کا تعین

(۲) ناجائز تعمیر کی معائنہ رپورٹ اور تصاویر کے ذریعے اس کی تازہ ترین صورت حال کا تعین کریں۔

(۳) کے پی سی ای کے اضلعی انتظامیہ اور پولیس کی کارروائی کے خلاف حکم امتناعی کی قانونی حیثیت

(۴) صورت حال کو جان کو جان پر قرار رکھنے کی پابندی ملڈ اور کے پی سی ای دونوں پر عائد کی جائے۔

(۵) ایک ایکشن پلان اور ایک ایڈجسٹڈ ڈسٹرکٹ پلان مقرر کیے جائیں جن کا وائرن اختیار صرف کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی ہو۔

(۶) تمام سولوں سے پولیس کا خصوصی دستہ چیف کنٹرولر آف بلڈنگز کی ماتحتی میں دیا جائے۔

(۷) گمران کمیٹی کی سفارشات کے مطابق نزدیک اور تعمیرات کے قوانین میں ترمیم کی جائے۔

(۸) کے پی سی ای کی جانب سے جاری کیے جانے والے این ایس ایس میں ایسی شرائط شامل کی جائیں جن سے موسم کے حقوق اور مفادات کا تحفظ ہو۔

شاہ محمد مصباح

چیف کنٹرولر آف بلڈنگز کے پی سی ای



شاہ محمد مصباح

میں زیادہ معلومات و آگہی پیدا کی جائے تو اس سے صورتحال کو بہتر بنانے میں بہت مدد ملے گی۔ انہوں نے اس سلسلے میں متعدد سفارشات پیش کیں۔

جناب مصباح نجی نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ گمران کمیٹی کا جس کے وہ خود بھی رکن ہیں کام سولت و ہمواری سے نہیں ہو پاتا ہے بلکہ مختلف حکموں اور دیگر لوگوں کے درمیان مسلسل چپقلش ہوتی رہتی ہے۔ متعلقہ حکام کمیٹی کے ارکان کی سفارشات کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ مشر نجی نے تجویز پیش کی کہ اس کاروبار کو دولت ہی کنٹرول کرتی ہے لہذا قانون شکنی کرنے والوں پر جو جرمانے اور سزائیں نافذ کی جائیں وہ مالی لحاظ سے بہت سخت ہونی چاہئیں۔ اس سے نہ صرف قوانین کی پابندی ہوگی بلکہ دولت ہی وہ زبان ہے جو قانون شکنی کرنے والے زیادہ اچھی طرح سمجھتے ہیں۔

"شہری" کے نمائندے رو لینڈ ڈی سوزا نے سینیٹر میں کمیٹی کی کارکردگی کے بارے میں اپنا تفصیلی جائزہ پیش کیا۔



پاکستان کے قومی ماحولیاتی کوالٹی معیارات

ایک تنقیدی جائزہ

کنٹرول کیا جائے۔

یہ محسوس ہوتا ہے کہ این ای کیو ایس ہماری ترجیحات پر پورا نہیں اترتا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صنعتی شعبے کو سب سے زیادہ آلودگی پھیلانے والا شعبہ قرار دیا گیا ہے اور بیشتر کوششوں کا مقصد صنعتوں کو مقررہ معیارات کا پابند بنانا ہے۔ یہ بات عجیب لگتی ہے کہ بڑی پروسیس انڈسٹریز کے اعتبار سے ملک کی صنعتی بنیاد کچھ زیادہ وسیع نہیں ہے اور صنعتی آلودگی کا اثر

قومی ماحولیاتی کوالٹی معیارات
(این ای کیو ایس) حکومت پاکستان نے ۲۹ اگست ۱۹۹۳ء کو جاری کئے تھے۔ ان کا اطلاق میونسپلٹیوں اور گاڑیوں پر فوری طور سے ہونا تھا۔ این ای کیو ایس کے آخری مرحلے کے نفاذ کے لئے جن کا اطلاق زیادہ تر صنعتوں پر ہونا تھا آخری تاریخ یکم جولائی ۱۹۹۶ء مقرر کی گئی تھی۔ اس اعلان کے ساتھ ہی این ای کیو ایس کے بارے میں گرامر بحث شروع ہو گئی تھی۔ جو لوگ ان معیارات کی مخالفت کر رہے تھے وہ انہیں ترقی کا دشمن قرار دے رہے تھے جبکہ اس کی حمایت کرنے والوں کا موقف تھا کہ این ای کیو ایس ملک کی پائیدار ترقی کی کلید ہے۔ این ای کیو ایس پر عملدرآمد سے ہمارے ملک کی معاشی ترقی پر طویل المیعاد اثرات مرتب ہوں گے لہذا ایک غیر جانبدارانہ جائزے کی ضرورت ہے۔

کسی بھی حکومت کو جو ماحولیاتی کوالٹی معیارات کے تعین اور نفاذ کے مسئلے سے دوچار ہو سب سے پہلے آلودگی کو کنٹرول کرنے کی لاگت اور اسکے مقابلے میں دوسرے مقاصد مثلاً تعلیم، رہائش، معاشی ترقی وغیرہ کی لاگت کا موازنہ کرنا چاہئے۔ لہذا نہ صرف اس بات کا فیصلہ کیا جانا چاہئے کہ آلودگی کی روک تھام کی جائے بلکہ اس بات کا بھی فیصلہ کیا جائے کہ کتنی آلودگی اور کس قسم کی آلودگی کو کس جگہ پر

سم اور تھور شامل ہیں۔ آلودگی کے ایسے ذرائع جو کسی ایک مقام تک محدود نہیں مثلاً کھیتوں سے کھاد، کپڑے مار اور جڑی بوٹیاں تلف کرنے والی دواؤں کا ہواؤ اور اسکارپ ٹوب ویلن کا پانی ہمارے دریاؤں کے پانی کے معیار کو متاثر کر رہے ہیں۔

گزشتہ برسوں کے دوران ملک کے وسائل کو تحمین کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ کیا کوئی شخص تعین کے ساتھ

ہمارے ملک میں انتہائی متنوع ماحولیاتی ڈھانچے ہیں جن کا تقاضا ہے کہ یکساں ملک گیر معیارات کے بجائے این ای کیو ایس کے علاقائی معیارات مقرر کئے جائیں

محدود ہے۔

بعض ماہرین کا اصرار ہے کہ این ای کیو ایس کے ذریعے صحت عام اور قوم کے ترقی وسائل کے تحفظ کی ترجیحات متعین کر دی جائیں۔ دستیاب خبروں اور سروے سے ان دوسرے ذرائع کی نشاندہی ہوتی ہے جو آلودگی کا باعث بن رہے ہیں اور صنعتوں کے مقابلے میں زیادہ خطرات پیدا کر رہے ہیں۔ ان ذرائع میں کچرے کو ٹھکانے لگانے کا انتظام، پینے کے پانی میں آلودگی، خام سیدر تاج پانی کو بہانا، جنگلات کی کٹائی کے باعث صحرائی

کہہ سکتا ہے کہ دریائے سندھ میں آلودگی کی سطح حتمی طور پر کتنی ہے اور کن ذرائع سے ہمارے آبی وسائل کو کتنا نقصان پہنچ رہا ہے۔ ایسے اہم اعداد و شمار کی عدم موجودگی میں ہم کس طرح کوئی حقیقت پسندانہ معیارات نافذ کر سکتے ہیں اور پھر یہ معیارات بھی ہر علاقے کی مناسبت سے ہونے چاہئیں۔ این ای کیو ایس پورے ملک کے لئے استعمال شدہ پانی اور درجوں کے اخراج کے معیارات مقرر کرتا ہے۔ پاکستان میں انتہائی متنوع ماحولیاتی ڈھانچے ہیں جن کا تقاضا یہ ہے کہ یکساں ملک گیر

معیارات کے بجائے این ای کیو ایس کے علاقائی معیارات مقرر کئے جائیں۔

ماہرین کے مطابق اس بے قاعدگی کا ایک وجہ یہ بھی ہے کہ معیارات مقرر کرنے کا یہ عمل دستیاب ٹیکنالوجی، افرادی قوت، معاشی حالات اور ملک کی ماحولیاتی خصوصیات کا تعین کے بغیر کیا گیا ہے۔ لہذا ان کا موقف یہ ہے کہ ماحولیاتی کوالٹی معیارات کا تعین کرتے ہوئے ہمیشہ مقامی طور پر دستیاب موجودہ ٹیکنالوجی اور تحقیق و ترقی کے تجربات کی سطح کو پیش نظر رکھا جائے۔

پاکستان میں چونکہ آلودگی کنٹرول کرنے کی ٹیکنالوجی کو ترقی دینے کی حوصلہ افزائی نہیں کی گئی اس لئے اگر یہ ٹیکنالوجی دستیاب بھی ہو تو لوگوں کو اس پر اعتبار نہیں ہوتا۔ لہذا یہ ٹیکنالوجی درآمد کی جائے گی۔ ایسے منگے آلات کی درآمد کی لاگت بہت زیادہ ہوتی ہے اور بعض صورتوں میں تو اتنی قیمت میں ایک نئی انڈسٹری لگ سکتی ہے۔

ایک ایسے ملک کے لئے یہ مشکل فیصلے ہیں جو کہ اپنی صنعتی بنیاد وسیع کرنے کی بھرپور کوشش کر رہا ہو اور وہ بھی عالمی منڈی کے بڑھتے ہوئے مسابقتی ماحول میں کم سے کم وقت میں۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف اقوام اپنے ماحولیاتی قوانین اپنی صنعتی ترقی کی سطح اور مقامی طور پر دستیاب ٹیکنالوجی کے معیار کو پیش نظر رکھ کر بناتی

کچرا سونا ہے!

گل بہاؤ کا نعرہ



سکھایا جاتا ہے۔ یہ پسا ہوا کچرہ تیزی سے کھاد بن جاتا ہے۔ شون سرکل پر صفائی کمائی بینک میں لوگ اپنا کچرہ فروخت کرنے کے لئے لاتے ہیں جہاں پہلے اسے اس کے مشتملات کی بنیاد پر الگ الگ تولا جاتا ہے۔ یکجا کیا جاتا ہے اور صاف ستھرے بنڈلوں میں رکھ دیا جاتا ہے۔

زگس لطیف کا کہنا ہے کہ عوام کا رد عمل بہت اچھا ہے تاہم وہ محسوس کرتی ہیں کہ ابھی معلومات اور شعور کی اس سطح کا فقدان ہے۔ ان کا خیال ہے کہ ٹیلی ویژن جیسے طاقتور ذریعہ ابلاغ کی مدد سے عوام میں یہ تحریک پیدا کی جائے کہ وہ ہر روز اپنے خشک اور گیلے کچرہ کو الگ الگ کر لیا کریں اور یہی اس پروگرام کی کامیابی کی کنجی ہے۔

گل بہاؤ ایک اور پروگرام پاکستان کی گولڈن جوبلی تقریبات کے حوالے سے شروع کرنے کا ارادہ رکھتی ہے جس کا نام "کراچی سے پہلے بار دنیا کے لئے" ہوگا۔ یہ کے ایم سی کے ساتھ ایک مشترکہ منصوبہ ہوگا۔ تاہم زگس لطیف محسوس کرتی ہیں کہ اس پروگرام کو جاری رکھنے اور مزید آگے بڑھانے کے لئے بہت زیادہ فنڈز کی ضرورت ہوگی۔

(سلیقہ انور ماحولیات کی سرگرم کارکن اور شہری کی رکن ہیں)

بھونڈی میں کام کر رہی ہے۔ اس کی سربراہ زگس لطیف ہیں۔ ان کے ساتھ مخلص کارکنوں کی ایک ٹیم ہے جو رضیہ، محمد اکبر، مسز ممتاز مشتاق اور غلام علی پر مشتمل ہے۔ رضیہ اور محمد اکبر اتوار کے سوا ہر روز صبح نو بجے سے شام پانچ بجے تک وہاں آپ کا کچرہ لینے کے لئے موجود ہوتے ہیں۔ یہ ایک چھوٹی سی ٹیم اور ان کا معمولی ماحول ہے لیکن یہ سب جوش و جذبے سے سرشار ہیں۔

ہمیں بتایا گیا کہ خشک اور گیلے کچرے کو گھر پر ہی الگ الگ کر لیا جائے۔ خشک کچرہ ہر قسم کے کانڈ، پلاسٹک، شیشے، پکڑے اور دھاتی اشیاء پر مشتمل ہوتا ہے جبکہ گیلیا کچرہ سبزیوں اور پھلوں کے چھلکوں، انڈے کے چھلکوں، بیڈوں اور سچے کھجھے کھانے پر مشتمل ہوتا ہے۔

گل بہاؤ میں کانڈ ۲ روپے فی کلو فروخت کیا جاسکتا ہے جبکہ پلاسٹک ۶ روپے فی کلو خریدا جاتا ہے۔ صفائی کمائی بینک ایک علیحدہ ادارہ ہے جہاں گیلے کچرے کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ گیلی اشیاء کیپوسٹنگ اور "ٹھنڈی مٹھی کھاد" بنانے کے لئے استعمال ہوتی ہیں۔ سبزیوں اور پھلوں کے چھلکوں کو پینے کے لئے گھروں میں استعمال ہونے والی قیے کی ہاتھ سے یا بجلی سے چلنے والی مشین استعمال کی جاسکتی ہے۔ پھر اسے باہر دھوپ میں

قابل قبول معیار فراہم کرنے میں ناکام رہی ہے۔ کے ایم سی روزانہ نکلنے والے کچرے کا صرف ۳۰ فیصد جمع کرتی ہے اور بچر کچرے کی ری سائیکلنگ بھی نہیں کرتی۔

یہی وہ مقام ہے جہاں زگس لطیف اپنے اس نعرے کے ساتھ سامنے آتی ہیں کہ "کچرہ سونا ہے! اسے یونہی مت پھینکتے!" انہوں نے گل بہاؤ بنائی اور وہ اس کی شیڈنگ ٹرٹی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ گل بہاؤ، کچرہ جمع کرنے کا ایک باعزت طریقہ ہے۔ یہ کباڑی والے کا جدید انداز ہے۔ جہاں لوگ آتے ہیں اور ایک صاف ستھرے ماحول میں خشک کچرہ فروخت کر جاتے ہیں اور گیلے کچرے کی کھاد بنالینے ہیں۔ اس طرح کچرے کو گلیوں، سڑکوں اور کھیل کے میدانوں میں پھینکنے کا طریقہ ختم ہو جاتا ہے۔

گل بہاؤ، شون سرکل کے قریب کلفٹن میں کلفٹن سینٹر کے قریب ایک

کراچی میں روزانہ سات ہزار ٹن ملا جلا کچرہ نکلتا ہے؟ اور اس کچرے میں ۱۳ فیصد یعنی ایک ہزار ٹن کانڈ ہوتا ہے۔ یہ رومی کانڈ، کانڈ کی کوالٹی کے مطابق ۲ ہزار روپے سے ۶ ہزار روپے فی ٹن فروخت ہوتا ہے یعنی ۲۰ لاکھ روپے سے ۶۰ لاکھ روپے یومیہ۔ اس طرح مجموعی کچرے کا ۷ فیصد پلاسٹک ہوتا ہے جسے اگر روپوں میں تبدیل کیا جائے تو یہ بھی نصف کروڑ روپے یومیہ ہوتا ہے۔ دوسری فالو اشیاء مثلاً پلاسٹک، شیشے، کانڈ، دھات وغیرہ کی مالیت ایک کروڑ روپے یومیہ ہوتی ہے۔

اصولاً ہونا تو یہ چاہئے کہ اس کچرے کا انتظام بلدیاتی ادارے کریں۔ کراچی میں کے ایم سی (کراچی میٹرو پولیٹن کارپوریشن) ٹھوس کچرے کو جمع کرنے اور ٹھکانے لگانے کی ذمہ دار ہے۔ بد قسمتی سے جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کے ایم سی اس سلسلے میں خدمات کا ایک



ٹھنڈی مٹھی کھاد کا استعمال



رضیہ اپنے کام سے خوش ہیں

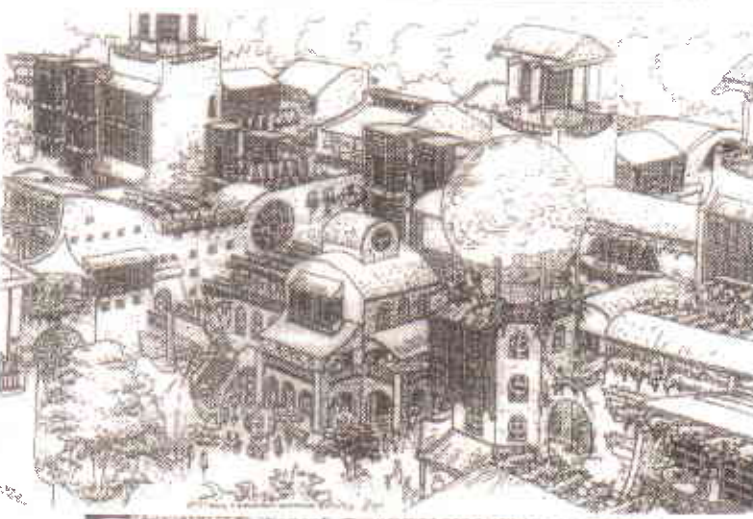
ماحولیاتی شہر... ہیلی فیکس

میں سیورج اہل کر میٹروپولین ساحل تک پہنچ گیا۔ ہر سال لاکھوں ملین لیٹر سیورج کا پانی سمندر میں بہا دیا جاتا ہے۔ مقامی طور پر کونکے کے وسائل نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایڈیلیڈ میں آدھی بجلی قدرتی گیس جلا کر بنائی جاتی ہے۔

دنیا کے خشک ترین براعظم میں جنوبی آسٹریلیا سب سے زیادہ خشک ریاست ہے۔ لیکن ۱۸۳۶ء میں آپاشی کا جو نظام یہاں لایا گیا تھا وہ شمالی یورپ کا نظام تھا۔ کاشتکاری کے ذاتی طریقوں کی وجہ سے یہاں زمین پر بڑے پیمانے پر مسائل کا سامنا ہے جن میں جنوبی آسٹریلیا کے دیہی علاقوں میں زمین کی کٹ اور تھور کے مسائل شامل ہیں۔ یہ وہ چند مسائل ہیں جن کی وجہ سے ایکوشی پراجیکٹ شروع کرنے والوں نے دنیا کے پہلے ایکوشی کے

طور پر ایڈیلیڈ کا انتخاب کیا۔ اس شہر کا انتخاب اس منصوبے میں شہر کے لوگوں کے تعاون اور شرکت کی وجہ سے کیا گیا۔

اقوام متحدہ کا اندازہ ہے کہ اس صدی کے اختتام کے تھوڑے عرصے بعد ہی انسانوں کی نصف سے زیادہ تعداد شہروں میں رہ رہی ہوگی۔ عالمی سطح پر فطری نظام حیات کی تباہی کے ذمہ دار شہری ہیں لہذا شہروں کو ہی ایکولوجی کے عالمی مسئلے کا حل بننا چاہئے۔ ہیلی فیکس ایکوشی پراجیکٹ فطری نظام حیات کو برقرار رکھنے ہوئے ترقی کی ایک مثال ہوگا۔



موٹر گاڑیوں کے ضرورت سے زیادہ انحصار کسی وجہ سے
دس لاکھ آبادی والے شہر کو گورد اور بلند دھوئیں کی
آلودگی کا سامنا کرنا پڑا

ہے کیونکہ زیادہ تر کارخانے رہائشی علاقوں میں یا ان کے قریب واقع ہیں۔

آب رسانی کے لئے اس شہر کو زیادہ تر آسٹریلیا کے واحد بڑے دریائی نظام ”مرے ڈارلنگ“ پر انحصار کرنا پڑتا ہے (عموماً ۵۰ فیصد اور خشک سالوں کے برسوں میں ۹۰ فیصد تک) پانی دریا سے پمپ کر کے ۶۰ کلومیٹر پہاڑوں اور میدانوں سے گزر کر شہر کے آبی ذخیرے تک پہنچتا ہے۔ شہر کا آب رسانی کا نظام فرسودہ اور پرانا ہے سیورج کا نظام بوہتی ہوئی ضروریات کا ساتھ نہیں دے سکتا، نتیجہ یہ ہے کہ ۱۹۹۵ء

آبادی کا شہر ہے جس میں جدید شہروں کی تمام سہولتیں اور مسائل موجود ہیں۔ شہر شمالاً ”جنوباً“ ۹۰ کلومیٹر پر پھیلا ہوا ہے پہاڑوں اور سمندر کی جغرافیائی حدود کی وجہ سے مشرق اور مغربی سمت میں شہر کی توسیع مشکل تھی۔ زبردست پھیلاؤ کی وجہ سے اس نے شہر کو کاروں پر ضرورت سے زیادہ انحصار کرنا پڑا صرف دس لاکھ آبادی والے اس شہر کو دھوئیں اور گرد کی اس سطح کا سامنا کرنا پڑا جس کی نسبتاً بڑے شہروں میں بھی کوئی مثال نہیں ملتی۔ ایڈیلیڈ کی فضائی آلودگی نظر نہ آنے والی

جنوبی آسٹریلیا کے تدارنیا باورجن کے وسط میں ہیلی فیکس ایکوشی پراجیکٹ شروع کیا گیا ہے۔ یہ پراجیکٹ اربن ایکولوجی آسٹریلیا نے شروع کیا ہے جو اقوام متحدہ سے منسلک ایک غیر سرکاری تنظیم اور جنوبی آسٹریلیا کی تحفظ ماحول کونسل کی رکن ہے، ان کے شریک کار ایکوپولس (پارٹی) لیڈ ہیں جو ایکولوجی آرکیٹیکچر اور پلاننگ کے مشیر ہیں۔ ایکوشی پراجیکٹ ایک ایسا منصوبہ ہے جس میں ۲۶۴ ایکڑ (۱۶۱ ایکڑ) رقبے کو ایک جدید شہر کے طور پر ترقی دی جائے گی۔ اس میں رہائشی کے علاوہ تجارتی اور کیونٹی سہولتیں موجود ہوں گی۔ زیادہ زور متوسط اور کم آمدنی والوں کے لئے مکانات پر دیا جائے گا۔

ایکوشی پراجیکٹ والوں کا کہنا ہے کہ شہروں کا مالک شہریوں کو ہونا چاہئے۔ عام طور پر سرمایے کا کنٹرول ان لوگوں کے ہاتھ میں ہوتا ہے جو صرف منافع کمانے کے لئے تعمیر کرتے ہیں انہیں شہروں کو خوبصورت اور صحت بخش بنانے سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔

ایڈیلیڈ شہر

۱۸۳۶ء میں برطانیہ نے پہاڑوں اور سمندر کے درمیان میدانی علاقے میں ایڈیلیڈ شہر کی بنیاد رکھی اور پھر یہ شہر بڑھتا چلا گیا۔ آج ایڈیلیڈ دس لاکھ